سانحہ یوحنا آباد: ایک جائزہ

از: نعمانہ سلیمان۔لاہور

اشاعت: المشیر (جولائی تا ستمبر 2015)

تمہید:

اس مضمون میں سانحہ یوحنا آباد اوراس کے سیاق وسباق میں پیش آنے والے واقعات کا سماجی، واقعاتی اور قانونی اعتبار سے جائزہ لیا گیا ہے نیز پاکستانی سماج، آئین وقانون میں موجود امتیازات پر کچھ سوال اُٹھائے گئے ہیں۔سانحہ یوحنا آباد اوراس سے منسلک واقعات کے تحت ملزمان پر لگائی گئی دفعات کا قانونی تجزیہ اور چند غور طلب تجاویز اس تحریر کا حصہ ہیں۔اس اظہاریہ میں ادارہ برائے سماجی انصاف(Centre For Social Justice) کی جانب سے شائع کی گئی، پیٹر جیکب کی مرتب کردہ تحقیقاتی(Fact-finding) رپورٹ، "Is It Cricket for Yuhannabad"، کو بنیاد بنایا گیا ہے **1**۔

لاہور میں صبح اور کیلی فورنیا میں رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے، جہاں میں تعلیم کے سلسلہ میں مقیم تھی۔فون کی گھنٹی بجی، گھر کا نمبر دیکھ کر ماتھا ٹھنکا، کیونکہ کچھ دیر پہلے ہی حال احوال ہوا تھا۔فون اُٹھانے پر دوسری جانب سے چھوٹی بہن کے رونے کی آواز سُنائی دی۔مسلسل ہچکیوں میں وہ کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی اور میں پوچھتی رہی کہ بات کیا ہے؟ کچھ توقف کے بعد وہ مجھے بتا پائی کہ سینٹ جونز اور کرائسٹ چرچ میں بم دھماکے ہوئے ہیں۔اُف خدایا! خیال فوراً والدہ کی جانب گیا جو کہ سینٹ جونز چرچ میں عبادت میں شریک تھیں، جب اُن کی خیریت کی خبر ملی تو جان میں جان آئی۔لیکن خیال خودکش دھماکوں کی بعد کی صورتحال سے کیسے آزاد ہوتا؟ پھر وہ رات کیا، میں کئی دن اور کئی رات سو نہیں پائی۔یوحنا آباد گذشتہ چالیس سال سے میرے خاندان اور میری جائے سکونت ہے۔گھر اور کمیونٹی کے حالات، وہ لوگ جنکو میں جانتی تھی یا وہ جو مجھے جانتے تھے، جو ہلاک ہوئے، زخمی ہوئے یا پولیس حراست میں رہے، اُن کی خبروں اور دُکھ نے مئی 2015 میں میرے کورس کے اختتام تک میرے دل ودماغ کو جکڑے رکھا۔

اب جبکہ ان تمام واقعات کو گزرے 6ماہ سے زائد عرصہ بیت چُکا ہے، بم دھماکوں میں ہونے والی 21 شہادتوں، ہجوم کے ہاتھوں 2افراد کی ہلاکت اور ایک خاتون کی گاڑی کی ٹکر سے جاں بحق ہونے والے 3افراد اور 11 زخمیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا، پڑھا اور سُنا جا چُکا ہے پھر بھی اس صورتحال کے کئی پہلو سامنے نہیں آسکے۔اس لیے سانحہ یوحنا آباد اوراس کے سیاق وسباق میں پیش آنے والے واقعات کا ایک جائزہ المشیر کے قارئین کے لیے پیش ہے۔

وہ بدقسمت دن:

15 مارچ کو اتوار کی چھٹی کے علاوہ زندہ دلانِ لاہور کے لیے لُطف اور خوشی کا انتہائی عمدہ اور روایتی سامان موجود تھا، کیونکہ آسٹریلیا میں جاری ورلڈ کپ میں، پاکستان، آئرلینڈ کے خلاف کرکٹ میچ کھیلنے والا تھا اور یوحنا آباد کے باسی خوشی کے اسی موڈ میں تھے۔کیونکہ روزوں کے ایام میں مسیحی برادری زیادہ تعداد میں عبادات میں شریک ہوتی ہے، اس لیے اُس روز دونوں گرجا گھروں میں تقریباً تین ہزار سے پینتیس سو کے قریب لوگ موجود تھے کہ صُبح گیارہ بجا گیارہ کے بیچ دو خودکش بمباروں نے یکے بعد دیگرے کرائسٹ چرچ اور سینٹ جونز چرچ پر حملہ کیا۔جس کے نتیجے میں 21 لوگ ہلاک اور 100 کے قریب زخمی ہوئے، بشمول 6 افراد کے، جن کا تعلق مذہب اسلام سے تھا اور وہ کاروبار یا نوکری کے سلسلے میں وہاں پر موجود تھے۔اس واقعہ کے بعد، یکایک لاہور، بطورِ خاص یوحنا آباد کی فضا یکسر تبدیل ہوگئی اور تمام نیوز چینلز نے اس حوالے سے رپورٹنگ کرنا شروع کردی۔

پاکستان میں اور مسیحی برادری کے ساتھ پیش آنے والا دہشت گردی کا یہ پہلا واقعہ تو نہیں تھا مگر لوگوں کا غم وغصہ ایک بپھرے ہوئے طوفان جیسا تھا۔لوگ حالات اور نظام سے اپنے عدم اطمینان کا اظہار کُھلے بندوں کر رہے تھے۔کسی کی توجہ سیکیورٹی کے نامناسب انتظام پر تھی، تو کسی کی ماضی میں اسی طرح کے واقعات کے بعد ذمہ دار افراد کے بری ہو جانے، متاثرین کی دادرسی نہ ہونے اور انصاف کی عدم فراہمی پر۔

زخمیوں اور نعشوں کو لاہور جنرل ہسپتال پہنچانے کے بعد لوگوں نے ہجوم کی صورت میں اکٹھے ہونا شروع کر دیا۔ اُس وقت تک لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ دو خودکش بمباروں نے دو گرجا گھروں پر حملہ کیا ہے اور پوچھ رہے تھے کہ خطرہ ٹل گیا یا نہیں؟ لوگ حکومت کے خلاف نعرے لگا کر، نامناسب حفاظتی انتظامات پر احتجاج کر رہے تھے، جیسا کہ پاکستان میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ اس واقعہ نے موجودہ حکومت کے مختلف ادوار کے دور حکومت میں مسیحیوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات، جیسے کہ قصور، سامبڑیال اور کوریاں/ گوجرہ (2009)، جوزف کالونی۔ لاہور (2012)، کوٹ رادھا کشن (2014) کی تلخ یادیں تازہ کر دیں۔

1997 سے اب تک پاکستانی مسیحی برادری کے خلاف مختلف واقعات میں تقریباً 1200 گھروں، درجنوں گرجا گھروں کا تباہ کیا جانا یا جلایا جانا، 6 مسیحیوں کا زندہ جلایا جانا، پولیس اور جیل حراست میں اموات جیسے حالات و واقعات کی وجہ سے سینکڑوں لوگوں کی نقل مکانی کرنے جیسی ماضی کی تلخ یادوں نے پھر سر اُٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی اہانتِ دین کے الزامات کے تحت ہونے والی طویل گرفتاریاں اور مقدمات، ان کی وجہ سے ہونے والا معاشی نقصان اور مذہبی امتیاز جیسی قباحتوں سے اٹی یادوں نے دل ودماغ کے دروازوں پر دستک دینا شروع کر دی۔ یہ غم و غصہ اُن سماجی امتیازات اور نظام میں گوندھی ہوئی ناانصافیوں کا نتیجہ بھی تھا، جن کا پاکستان کی مذہبی اقلیتیں گذشتہ کئی دہائیوں سے روزمرہ زندگی میں سامنا کرتی ہیں۔ حکومت کے خلاف ردِعمل زور پکڑتا گیا اور ہجوم نے اچانک توڑپھوڑ شروع کر دی۔

اسی اثنا میں تحریک طالبان پاکستان نے حملے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ وزیر اعظم پاکستان نے سخت الفاظ میں اس واقعہ کی مذمت کی اور کہا کہ **"گرجا گھروں پر حملہ ریاستِ پاکستان پر حملہ ہے"**۔ موجودہ حکومت میں شامل مسیحی سیاسی قیادت بشمول سینٹر کامران مائیکل، صوبائی وزیر طاہر خلیل، ممبرانِ پنجاب اسمبلی شکیل آئیون، طارق گل اور شہزاد منشی نے فوری طور پر یوحنا آباد پہنچ کر معاملات اور عوام کے غم و غصے کو قابو میں کرنے کی کوشش کی، لیکن صورتحال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے انھوں نے ہجوم سے دور رہنے میں عافیت سمجھی۔

اسی اثنا میں پولیس نے دو نوجوانوں نعیم اور بابر کو گرفتار کیا، ٹی وی چینلز نے خبر دی کہ دونوں نوجوان دہشت گردوں کے ساتھی ہیں اور ان کے پاس سے اسلحہ بھی برآمد ہوا ہے، ویڈیو کلپس بھی دکھائے گئے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی ہجوم نے اُن دونوں ملزمان کو دہشت گرد سمجھتے ہوئے پولیس کی حراست سے نکال کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا**2**۔ اس تمام واقع کے دوران موقع پر موجود پولیس یا تو ہجوم کے آگے بے بس تھی یا عملے نے سوچا کہ ان کی مداخلت مسئلے کو مزید خراب کر دے گی، بہر حال ملزمان کو ہجوم سے واپس اپنی تحویل میں لینے کی کوشش نہ کی۔ اس مار پیٹ کے نتیجے میں دونوں ملزمان یا تو بے ہوش ہو گئے یا ہلاک اور پھر ہجوم میں شامل کسی ظالم کو یہ خیال آیا، کہ وہ جن دو افراد کو اپنے تئیں دہشت گرد سمجھ رہے ہیں، انہیں جلانا ہی اُن کے کسی سفلی جذبے کو تسکین دے گا۔ بدقسمتی سے اس خیال کو عملی جامعہ پہنانے میں کوئی نتیجہ خیز رکاوٹ درپیش نہیں آئی۔

اس واقعہ کے نتائج، ماضی میں ہونے والے اس قسم کے واقعات سے مختلف تھے۔ میڈیا نے فوراً ہی ہمدردی کے جذبات سے رپورٹنگ کا رُخ الزامات کی طرف موڑ دیا" مسیحیوں نے دو مسلمانوں کو مار دیا"**3**۔ کسی کو ماورائے قانون و عدالت مارنا یا تشدد کا کوئی جواز نہیں، ان دونوں افراد کی ہلاکت کی مسیحی برادری نیز ان کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کی جانب سے شدید مذمت کی گئی۔ لیکن دو افراد کی ہلاکت کے اس واقعے کو سوشل میڈیا پر فوراً ہی پھیلا دیا گیا، نفرت کا کاروبار کرنے والے افراد اور تنظیموں نے اس واقعے کو غلط رنگ دے کر مسیحی برادری کے خلاف نفرت اور تعصب پھیلانے کے لیے استعمال کیا۔

اگرچہ شام 5 بجے کے قریب لاہور کی زندہ دلی پھر بحال ہونے لگی، کیونکہ پاکستان آئرلینڈ کے خلاف میچ جیت چکا تھا اور یوحنا آباد سے دس بارہ کلومیٹر دور والٹن روڈ پر نوجوان روایتی انداز میں ڈھول کی تھاپ پر رقصاں پاکستان کی جیت کا جشن منا رہے تھے۔ لیکن 15 مارچ کا دن یوحنا آباد کے رہائشیوں کے لیے بے حد تلخ حادثات کے علاوہ کئی اہم سوال چھوڑ گیا، جیسا کہ،

کیا ملک میں مذہبی امتیاز کی لعنت ختم ہوسکتی ہے؟ مذہبی تعصّبات کو پاکستانی معاشرے میں کئی دہائیوں تک کیوں پنپنے دیا گیا؟ جب حکومت اور انتظامیہ یوحنا آباد جیسی صورتحال کو قابو کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو اصل میں نقصان کس کا ہوتا ہے؟ اذیت کس کو برداشت کرنا پڑتی ہے؟

قومی دھارے کی کسی صوبائی یا وفاقی سیاسی لیڈرشپ نے یوحنا آباد کا دورہ نہیں کیا۔ شاید مضطرب ہجوم کے ڈر سے یا شاید اس لیے کے دہشت گردی کا خطرہ ٹلا نہ تھا، جیسا کہ میڈیا بھی رپورٹ کر رہا تھا۔ لیکن 6 ماہ کے بعد بھی یوحنا آباد، قومی دھارے کی کسی صوبائی یا وفاقی سیاسی قیادت کی انفرادی توجہ سے محروم رہا۔

دھماکوں کے اگلے روز جبکہ یوحنا آباد فیروزپور روڈ پر احتجاج جاری تھا، مسیحی اور ارد گرد کی مسلمان برادری کے درمیان تناؤ بڑھ رہا تھا اور میڈیا مسلسل جانبدارانہ رپورٹنگ کر رہا تھا۔ چند لوگ قریبی مسجد سے جلوس کی شکل میں نکلے اور یوحنا آباد سینٹ علیاہ چرچ پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی، بہرحال اس مرتبہ پولیس نے ہجوم پر قابو پا لیا۔ مگر نہ جانے کونسی ایمرجنسی تھی جس کے تحت مسلم خاتون مریم صفدر نے یوحنا آباد کے نزدیک میٹرو بس کے لیے مخصوص ٹریک پر اپنی گاڑی چلانا شروع کر دی اور جب مظاہرین کو دیکھا تو ریورس گیئر میں گاڑی چلا دی، جس کی وجہ سے 3 افراد جان سے گئے اور 11 افراد زخمی ہوئے۔ پولیس نے خاتون کو تحفظ فراہم کیا۔ اس کار حادثے نے پہلے سے غم زدہ مسیحی برادری کو تحقیر کے کرب میں مبتلا کر دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ مریم صفدر نے حادثے کے چار دن کے بعد مظاہرین کے خلاف ایف۔آئی۔آر بھی درج کروا ڈالی اور ضمانت پر فوری طور پر رہا بھی ہو گئیں[4]۔ بل آخر 16 مارچ کی شام کو پولیس کا ساتھ دینے کے لیے رینجرز کی آمد ہوئی تا کہ امن و امان (Law and Order) کی صورتحال برقرار رکھی جا سکے، لیکن تب تک ایسا بہت کچھ ہو چکا تھا جسکو روکا جانا چاہیے تھا۔

اس ماحول میں وفاقی وزیر داخلہ نے ایک غیر ذمہ دارانہ بیان میں یوحنا آباد میں دو افراد کی ہجوم کے ہاتھوں ہلاکت کے معاملے کو بدترین دہشت گردی کے مترادف قرار دیا[5]۔ لوگوں نے اس بات کو بھی محسوس کیا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے یوحنا آباد سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہجوم کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے نعیم کے گھر کا دورہ کیا[6]، لیکن یوحنا آباد تشریف نہ لائے۔ پیغام واضح تھا کہ منسٹر صاحب اپنے حلقے میں واقع یوحنا آباد کے ووٹروں سے خوش نہیں ہیں، جنھوں نے اُنھیں اپنے ووٹ دے کر وفاقی اور صوبائی نشست پر جتوایا تھا۔ دیگر سیاسی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف نے بھی نعیم کے گھر کا دورہ کیا۔

مولانا طاہر محمود اشرفی نے دونوں برادریوں میں منفی جذبات کو ٹھنڈا کیا[7]۔ مولانا کے مذہبی ہم آہنگی، تکفیر کے قوانین کے غلط استعمال سے متعلق خیالات اور اقدامات نے اُن کے لیے پاکستان کے عام شہری، بشمول مذہبی اقلیتوں کے دل میں ایک اہم مقام پیدا کیا ہے۔ کاش! اس موقعہ پر ایسی بہت سی آوازیں اُٹھی ہوتیں۔

20 مارچ سے پولیس نے یوحنا آباد سے بلا جواز گرفتاریاں شروع کر دیں، رات کے پچھلے پہر میں گھروں پر چھاپے مارے گئے، چادر اور چار دیواری کے ضابطوں کی خلاف ورزی کی گئی جس کی وجہ سے خوف و ہراس کا ماحول اس قدر بڑھ گیا کہ کئی خاندان اپنے گھر چھوڑ کر رشتہ داروں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے علاوہ پولیس نے لاہور کی مختلف مسیحی آبادیوں میں بھی چھاپے مارے اور کئی مسیحی مردوں کو گرفتار کیا گیا۔

تقریباً 200 افراد کو بلا جواز گرفتار کیا گیا، اگرچہ تمام گرفتاریوں کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ بلا جواز گرفتاری کی ایک مثال منیر عارف کی ہے، جو کہ بچپن ہی سے سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے ذہنی طور پر کمزور ہے۔ پولیس نے منیر کو رہا کر دیا اور اس کے بدلے میں اُس کے بھائی امجد کو گرفتار کر لیا جو کہ شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے۔ کئی خاندان ایسے ہیں جن کے واحد کفیل حراست میں ہیں اور اُن کی غیر موجودگی میں وہ خاندان بے چارگی اور امداد پر منحصر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ قانونی امداد مہیا کرنے والے اداروں کو ملزمان اور اُن کے گھر والوں سے، پولیس کے ناروا سلوک حتیٰ کہ تشدد کے واقعات کے بارے میں بھی پتہ چلا بشمول دو ایسے کیسز کے جو کہ پولیس حراست میں کیے جانے والے تشدد کی وجہ سے اپنی قوتِ سماعت کھو بیٹھے ہیں اور اب علاج کے لیے امداد پر منحصر ہیں۔

ضمانت پر رہا ہونے والے افراد نے دورانِ حراست ہونے والے ذاتی تجربات بیان کیے ہیں جنکو سُن کر عمومی طور پر پولیس کے بارے رکھی جانے والی رائے کو تقویت ملتی ہے کہ، وسائل کی کمی کا شکار پولیس کا محکمہ تحقیقات کے لیے، دھمکیوں، ذلت آمیز گفتگو/رویے، غیر قانونی حراست حتیٰ کہ تشدد جیسے غیر انسانی اقدامات کو بروئے کار لاتا ہے 8۔

روزمرہ زندگی میں مسیحی شہریوں کو جن تعصبات کا سامنا رہا اور اب تک ہے اُس کا احوال الگ ہے ۔ایک ڈاکٹر نے ،منور بی بی کا علاج کرنے سے انکار کر دیا جو کہ بم کے ذرات کی وجہ سے زخمی تھیں ۔این میری کو جو کہ ایک پرائیویٹ کالج میں F.SC کی طالبہ ہیں اپنے ہم جماعتوں کی جانب سے متعصبانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑا ،مثلاً وہ ان کے ساتھ اٹھ بیٹھ نہیں سکتی تھیں، حتیٰ کہ کالج کے ایک استاد نے ان کی اُس دُعا میں شرکت یقینی بنائی جو کہ تمام غیر مسلمانوں کے خاتمے کے لیے کی گئی تھی ۔اس ماحول نے اُسے گھر رہنے پر مجبور کر دیا ، جب تک کہ اُس کی غیر حاضری اُس کے لیے ایک مسئلہ نہ بن گئی ۔23 سالہ سلیمان کو غیر ضروری طور پر ایک سکیورٹی چیک پوسٹ پر کھڑا رکھا گیا ، کیونکہ شناختی کارڈ کے مطابق وہ یوحنا آباد کا رہائشی تھا ۔یوحنا آباد کے گرد و نواح میں واقع فیکٹریوں میں کام کرنے والے مسیحی ملازمین کو نوکریوں سے برخاست کر دیا گیا 9 ۔(متاثرین کے اصل نام اُن کی درخواست پر صغیہ راز میں رکھے گئے ہیں)

پولیس کے مطابق کُل 134 افراد کو گرفتار کیا گیا تھا، اور 14 اگست 2015 کے روزنامہ جنگ کے مطابق تا حال 37 افراد زیرِ حراست ہیں جن کو کہ قتل کیس میں نامزد کیا گیا ہے، ان میں سے 23 افراد کا چالان عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے، جبکہ 14 افراد کا چالان تیار کیا جا رہا ہے 10 ۔بم دھماکوں سے متعلق کیس نمبر 389 اور 390 کے تحت ایک شخص غلام رسول کو خود کُش حملوں کی سہولت کاری کے شبہ میں، دھماکوں کے ایک ہفتے کے بعد یوحنا آباد کے قریب ایک رہائشی کالونی سے گرفتار کیا گیا 11 ۔میڈیا رپورٹس میں ملزم کا تعلق پاکستان تحریک طالبان سے بتایا گیا مزید یہ کہ ملزم کے قبضہ سے اسلحہ اور خود کُش بمباری میں استعمال ہونے والی جیکٹس بھی برآمد ہوئی ہیں ۔مگر پولیس کی تحقیقات میں غلام رسول کو بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ دراصل اسی نام سے ایک اور شخص مطلوب تھا ۔پولیس ذرائع کے مطابق انھوں نے ایک دہشت گرد گروہ کو گرفتار کیا ہے جو کہ یوحنا آباد میں ہونے والے خود کش بم دھماکوں کی منصوبہ بندی میں ملوث تھا اور پولیس اس ضمن میں مزید تحقیقات کر رہی ہے 12 ۔

نعیم اور بابر قتل کیس میں ٹی وی فوٹیج سب سے بڑا ثبوت سمجھا جا رہا ہے ۔اب تک کی گرفتاریاں شک و شبہ کی بنیاد پر کی گئیں اور گرفتار شدگان کو ایک کیس سے دوسرے کیس میں منتقل کیا جاتا رہا۔ اس وجہ سے ٹی وی فوٹیج اتنی مددگار نہیں جتنی کہ خیال کی جاتی ہیں ۔دراصل یہ ٹی وی فوٹیج شک کی بنا سے آگے ثبوت فراہم کرنے سے قاصر ہیں، جبکہ فوجداری مقدمات میں ٹھوس شواہد کی فراہمی نہایت اہم ہے ۔اس واقعہ کی فوٹیج کا بغور جائزہ شاید پولیس کی کارکردگی کو زیرِ بحث لائے ، جو کہ دو زندگیوں کو بچانے میں ناکام ہوئی ۔پولیس کی موجودگی میں نعیم اور بابر کا ہجوم کے ہاتھوں مارا جانا ، اُن کی کارکردگی پر کئی سوال اٹھاتا ہے ۔جیسا کہ مریم صفدر کے تحفظ کے ضمن میں پولیس افسر کو انعام دیا گیا ، لیکن نعیم اور بابر کو تحفظ نہ دینے کے حوالے سے اُن افسران کی تحقیقات نہیں کی گئیں ۔

دو افراد کی ہلاکت کے واقعہ میں سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ ہجوم نے نعیم اور بابر کو دہشت گرد سمجھ کر مارا، ۔اس کے علاوہ ہجوم کی نفسیات اُن دہشت گردوں کو سزا دینے کی تھی جن کو کہ ہمارا کمزور نظامِ انصاف قانون کے مطابق سزا نہ دیتا ۔

ان تمام واقعات کے سیاق و سباق میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ، انتظامیہ اور پولیس کی جانب سے امن و امان کی صورتحال کو قابو میں رکھنے کے حوالے سے 61 سال پہلے کی جسٹس منیر انکوائری کمیشن کی رپورٹ 13 سے کچھ سبق نہیں سیکھا گیا ۔اس کے علاوہ سانحہ گوجرہ (2009) کے بعد، امن و امان کو قائم رکھنے کے ضمن میں جسٹس اقبال حمید الدین کی مرتب کردہ عدالتی تحقیقاتی سفارشات 14، پر اب تک عملدرآمد نہیں ہوا ۔

قانونی تجزیہ: یوحنا آباد میں ہونے والے خودکش بم دھماکوں اور دو افراد کی ہلاکت پر درج ہونے والے مقدمات میں لگائی جانے والی دفعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مقدمات کی سنگینی اور اثرات کے حوالے سے فرق کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا۔ خودکش دھماکوں کے واقعات میں 9 سے 10 دفعات لگائی گئیں جبکہ دو افراد کی ہلاکت کے مقدمات میں 11 دفعات لگائی گئیں ہیں جو کہ فوجداری ضابطوں کے حوالہ سے تجاوز کرتی نظر آتی ہیں۔

سب سے زیادہ متنازعہ، قانونِ فوجداری 1997 کی دفعہ 15,7ATA اور دفعہ 302 تعزیراتِ پاکستان[16] کا اطلاق ہے۔ پاکستان میں قانونی اور انسانی حقوق کے ماہرین بارہا دہشت گردی ایکٹ کے عام جرائم پر اطلاق کی مذمت اور اس کے نفاذ سے ہونے والی ناانصافیوں کی نشاندہی کرتے رہے ہیں[17]۔ مثال کے طور پر انسداد دہشت گردی ایکٹ پولیس کو غیر قانونی اور طویل گرفتاریوں کی سہولت فراہم کرتا ہے مزید برآں ٹھوس شواہد کی فراہمی کے ضمن میں نرمی پولیس کے کام کو آسان بناتی ہے۔ اس وجہ سے پولیس اس ایکٹ کے تحت ملزمان کو گرفتار کرنے میں سہولت محسوس کرتی ہے۔

جبکہ دوسری جانب یہ اقدامات نہ تو شہریوں کی زندگی کو آسان بناتے ہیں، نہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں اور نہ ہی نظامِ انصاف پر عوام کا اعتماد بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ بطورِ خاص انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ 7 کا اطلاق قتل اور توڑ پھوڑ کے مقدمات میں اس وقت قطعی غیر مناسب ہے، جب کہ ملک میں دہشت گردی کے پے در پے سانحات رونما ہو رہے ہوں اور ہجوم کے ہاتھوں دو افراد کی ہلاکت سے چند گھنٹے قبل ہی دہشت گردی کا اصل واقع وقوع پذیر ہوا ہو۔

اس کے علاوہ ہجوم کے ہاتھوں دو افراد کی ہلاکت کے مقدمات میں تعزیراتِ پاکستان دفعہ 302 کا اطلاق بھی قابلِ سوال ہے۔ کیونکہ دفعہ 302 قتلِ عمد ہے، جس کا اطلاق ارادے اور منصوبے کے تحت کیے جانے والے قتل کے مقدمات پر ہوتا ہے۔ جبکہ اچانک اور اشتعال انگیزی کے نتیجے میں ہونے والے ہلاکتوں پر دفعہ 302 کا اطلاق نہیں ہوتا۔

گذشتہ سال 19 جون 2014 کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے بحوالہ پشاور چرچ حملہ اور مذہبی اقلیتوں کو درپیش دیگر امتیازی واقعات سے متعلق نہایت اہم فیصلہ دیا تھا[18]۔ اس فیصلے میں سپریم کورٹ نے مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے دیگر اقدامات کے علاوہ مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لیے ایک ٹاسک فورس کے قیام کا حکم بھی دیا تھا۔ حکومتِ پنجاب نے اعلیٰ عدلیہ کی جانب سے یاد دہانی کروائے جانے کے بعد 11 مارچ 2015 کو سپریم کورٹ کے فیصلے کے ضمن میں تعمیلی رپورٹ پیش کی اور دعویٰ کیا کہ عبادت گاہوں کی حفاظت کے لیے جامع حفاظتی منصوبہ نافذ کر دیا گیا ہے، جبکہ ٹاسک فورس قائم کرنے کے حوالے سے سپریم کورٹ کے حکم کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ اگر سپریم کورٹ کے فیصلے اور حکومتِ پنجاب کی تعمیلی رپورٹ کے مطابق یوحنا آباد میں سکیورٹی کے انتظامات کا جائزہ لیا جائے تو موثر حفاظتی اقدامات اور سپریم کورٹ کے احکامات کے نفاذ کے حوالے سے عدم سنجیدگی جیسے کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔

مالی ہرجانے کی مد میں حکومتِ پنجاب نے ہلاک شدگان کے لیے 5 لاکھ فی خاندان (20) اور 75 ہزار فی زخمی (65) تقسیم کیے۔ 5 لاکھ نعیم کے خاندان کو بھی دیئے گئے جبکہ بابر کے خاندان نے مالی ہرجانے کی رقم لینے سے معذرت کر لی۔ اس کے علاوہ کئی سماجی تنظیموں نے بھی متاثرین کی امداد کی، بطورِ خاص ان خاندانوں کی جن کے واحد کفیل کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ مگر کار حادثے میں ہلاک ہونے والوں کے خاندان اور زخمی ہونے والے افراد کو کوئی مالی ہرجانہ نہ دیا گیا۔

سانحہ یوحنا آباد اوراس کے بعد ہونے والے واقعات نے ہمارے سماجی اور سیاسی نظام کے کئی کمزور پہلوؤں کو عیاں کیا ہے، جن میں سماجی سطح پر مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلے، رابطے کا فقدان، مذہبی اقلیتوں کو روزمرہ زندگی میں درپیش سماجی، قانونی، آئینی تعصبات اور معاشی ناانصافیاں شامل ہیں، جن کا نفسیاتی اور جذباتی دباؤ مذہبی اقلیتیں کئی دہائیوں سے برداشت کر رہی ہیں۔ مذہبی اقلیتوں کا معاشرتی سطح پر پچھڑے ہوئے اور غیر ترقی یافتہ ہونا نیز بلدیاتی سطح پر قیادت کا فقدان بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ ان تمام عوامل کی بنا پر عوام اب روایتی بیانات سے دق ہو چکے ہیں اور انصاف پر مبنی عملی اقدامات دیکھنا چاہتے ہیں۔

سفارشات:

مندرجہ بالا تجزیے کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی ضروری ہے کہ درج ذیل اقدامات عمل میں لائے جائیں؛

1۔ وزیراعلیٰ پنجاب جلد از جلد یوحنا آباد کا دورہ کریں اور لوگوں کے لیے انصاف کی فراہمی یقینی بنائیں۔

2۔ تمام مقدمات میں انصاف کے تقاضے اصلاحی پہلو کو مدنظر رکھ کر پورے کیے جائیں نہ کہ تادیبی سوچ کے تحت تاکہ مذہبی اقلیتوں کو نشانہ بنانے (victimization) جیسی آراء سے بچا جا سکے۔

3۔ سانحہ یوحنا آباد کے بعد کی صورتحال سے نمٹنے اور اس کے پُرامن حل کے لیے قومی دھارے سے تعلق رکھنے والے سیاسی نمائندگان ایک جامع منصوبہ کے تحت اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

4۔ عوام اور بطورِ خاص سانحہ یوحنا آباد کے متاثرین تحقیقات سے متعلق سچائی جاننے کا حق رکھتے ہیں نیز حقائق سے متعلق جانکاری اکثریتی اور اقلیتی برادریوں کے لیے انصاف اور اُن کے درمیان تعلقات کی بحالی کے ضمن میں اہم کردار ادا کرے گی۔ اس لیے سانحہ یوحنا آباد اور اس کے سیاق و سباق میں ہونے والے تمام واقعات کی تحقیقات سے متعلق حقائق کی جانکاری تک عوام کی رسائی کو یقینی بنایا جائے۔

5۔ انصاف کی عدم فراہمی نہ صرف سیاسی و سماجی سطح پر ردِعمل کو جنم دے گی بلکہ دونوں برادریوں کے درمیان تعلقاتی خلیج میں بھی اضافہ کرے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک خصوصی ادارہ جو کہ عبوری انصاف (Transitional Justice) سے متعلق فہم و تجربہ رکھتا ہو ان تحقیقات کی نگرانی کرے۔ تاکہ مقدمات کی تحقیقات بلاامتیاز ہوں اور ملزمان پر ایسی دفعات کا اطلاق نہ کیا جائے جو کہ انصاف کے تقاضوں کے منافی ہوں اور حقائق کی درُست ترجمانی نہ کرتی ہوں۔

6۔ حکومت اور انتظامیہ، اکثریتی اور اقلیتی برادریوں کے درمیان تعلقات کی بحالی کے لیے موثر انتظامات کرے۔ نیز مذہبی، سیاسی اور سماجی قیادت متاثرین کی جذباتی و نفسیاتی صورتحال میں بہتری اور سماجی روابط کی بحالی کے لیے جامع منصوبہ بندی کرے اور موثر اقدامات بلاتاخیر عمل میں لائے۔

7۔ مذہبی اقلیتوں اور اُن کی سیاسی قیادت میں خلا کو کم کرنے کے لیے تمام سیاسی جماعتیں، اقلیتی نمائندوں کا خصوصی نشستوں کے لیے چناؤ، جماعت کے اندر انتخابات کے ذریعے کریں۔

8۔ مذہبی اقلیتوں کو ملک کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی دھارے میں شامل کرنے کے لیے، موجودہ بلدیاتی انتخابات کے نظام میں بھی اصلاحات کے ذریعے بہتری لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مستقبل میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں مذہبی اقلیتوں کے نمائندگان کو براہِ راست منتخب کیا جائے **19**۔

9۔ یوحنا آباد کے رہائشیوں نے مستقبل میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات کے لیے کی جانے والی نئی حلقہ بندیوں پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے، کہ اُن کے ووٹوں کو ملحقہ آبادیوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اُن کی سیاسی طاقت کم ہو جائے گی۔ اس شکایت کی دادرسی فوری طور پر کی جائے۔

10۔ مذہبی اقلیتوں کے لیے سرکاری نوکریوں میں مختص 5% کوٹے جیسا مثبت اقدام، ریگولیٹری باڈی کی عدم موجودگی کی وجہ سے، نفاذ کی سطح پر تعطل کا شکار ہے۔ اس لیے جاب کوٹہ کے نفاذ کے ضمن میں انتظامی سطح پر جلد از جلد ریگولیٹری باڈی (Regulatory Body) قائم کی جائے۔

11۔ حکومت صوبائی سطح پر انسانی حقوق اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے خودمختار اور غیر جانبدار اداروں کا قیام جلد از جلد عمل میں لائے۔ تاکہ حقوق کا تحفظ فروغ پائے۔

12۔ گوجرہ انکوائری کیس اور سپریم کورٹ کے 19 جون 2014 کے فیصلے پر فوری عمل درآمد کیا جائے۔